کروں گا یا اس راستہ میں ہلاک ہو جاؤں گا۔"

کیا آپ ﷺ نے مفاہمت کی۔ آج کے جمہوری مولوی کس بات پر مفاہمت کر رہے ہیں جبکہ دین نام ہے مزاحمت کا۔ افسوس! آج کے جمہوری شاطروں نے اسلام کے اصولوں کو تبدیل کر دیا ہے۔ اسلام میں تو سب اختیار اللہ کے پاس ہیں۔ جبکہ جمہوریت میں عوام کے پاس سرچشمہ اقتدار ہے۔ گویا وہ قرآن کی ان آیات کی نفی ہے۔

۱۔ الالہ الخلق والامر۔ تبارک اللہ رب العلمین

۲۔ ان الحکم الا للہ امرالاتعبدوالا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن اکثرالناس لایعلمون۔

آج کی حکومت اور اپوزیشن دونوں خدا کی مجرم ہیں۔ جنہوں نے اس لادین کفریہ نظام کو اپنایا ہے۔ جمہوریت میں ایک آدمی کا ایک ووٹ ہے چاہے وہ سکھ، ہندو، عیسائی، مرزائی ہی کیوں نہ ہو جبکہ اسلام میں نماز نہ پڑھنے والوں کا، زکواۃ نہ دینے والوں کا کوئی ووٹ نہیں ہے۔ جمہوریت میں ایک متقی مسلمان شخص ایک ہندو اور غیر مسلم کے برابر ہے۔ جبکہ اسلام میں صرف متقی لوگ ہی بیعت کا حق رکھتے ہیں۔

میثاق مدینہ بھی جمہوریت کا معاہدہ نہیں ہے بلکہ ایک معاشرتی معاہدہ ہے۔ رہن سہن کا معاہدہ ہے۔ اقتدار کا معاہدہ نہیں ہے اور جو شخص اسے جمہوریت سمجھتا ہے وہ جاہل اعظم ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ اگر کنوارہ مرد اور کنواری لڑکی زنا کریں تو انہیں سو سو کوڑے مارو"

حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں زنا کے چھ مقدمے حل فرمائے اور فرمایا کہ میں نے انہیں قرآن کے مطابق حل کیا ہے۔ آج اگر ہمارے ملک کی وزیر اعظم یہ بکتی ہے کہ "اسلامی سزائیں ظالمانہ ہیں" تو نبی ﷺ کے فرمان کے انکار سے تو اسلام نہیں رہتا۔ کیا یہ مشرکانہ بکواس نہیں ہے؟ کیا محترمہ کے اس فعل سے ان کا اسلام باقی ہے۔ قرآن میں ہے کہ

اقیمو الصلواۃ ولا تکونو من المشرکین۔

نماز پڑھو اور مشرک نہ ہو۔ کیا کوئی اسکا انکار بھی کر سکتا ہے۔ کس نے تمہیں اس بکواس کا حق دیا ہے۔ تم رشدی اور تسلیمہ نسرین کے پیچھے پڑے ہوئے ہو یہ کیا ہے۔۔۔؟

۱۸۳۱ء سے ۱۸۶۲ء تک ہمارے بزرگوں نے قربانیاں دی ہیں۔ انگریزوں کے جوتے نہیں چاٹے۔ ۷ جون ۱۸۹۷ء کو ملکہ وکٹوریہ کی تاجپوشی پر ملتان اور بہاولپور کے جاگیردار اور وڈیروں نے مرزائیوں کیساتھ ملکر جارج پنجم سے یہ مراعات حاصل کی ہیں۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھ لو خدا تو آمر مطلق ہے۔۔۔ وہ تمہیں حکم دیتا ہے۔ رائے کا اظہار عطا نہیں کرتا۔ انگریز اور یہودیوں نے ہم میں سے

بقیہ ص۳۴ پر

جہانِ نسواں — بنت حوّا

مدرسہ بستانِ عائشہ دارِ بنی ہاشم کا سالانہ اجتماع

اور ترجمۂ قرآن کریم کے ختم کی پروقار تقریب

جمعرات ۲۹ دسمبر ۱۹۹۴ء کی روشن اور نکھری نکھری صبح بستانِ عائشہ کی طالبات و معلمات کے لئے بڑی پرکیف اور جانفزا تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی کہ آج مدرسہ کا سالانہ اجتماع منعقد ہورہا تھا جسکا انہیں شدت سے انتظار تھا اور اس دن کے لئے وہ جس قدر بے چین تھیں۔ اسکا اندازہ آج ان کے جوش و جذبے اور سچی لگن سے بخوبی ہورہا تھا۔

ہر طالبہ و معلمہ مدرسہ کے تمام امور کو اپنا فرض سمجھکر انجام دے رہی تھی۔ جسکی وجہ سے جلسہ گاہ کے انتظامات سے لیکر معزز مہمان خواتین کی ضیافت تک کے تمام مراحل اس خوبی سے طے پائے کہ دیکھنے والے بے اختیار داد دینے پر مجبور ہوگئے۔

یہ جلسہ اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ مدرسہ کے شعبہ فاضلات کی پانچ طالبات کا ترجمۂ قرآن پاک اور شعبہ ناظرہ کی دو طالبات کا ناظرہ قرآن پاک مکمل ہو رہا تھا۔ اور اس جلسے سے ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے خطاب فرمانا تھا۔ ٹھیک دو بجے جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ اور وسیع و عریض پنڈال میں مدرسہ کے شعبہ پرائمری کی ننھی طالبہ سیدہ بریرہ کی تلاوت کی آواز گونجنے لگی۔ تمام سامعات نہایت ادب و احترام سے گوش بر آواز تھیں۔

سٹیج سکرٹری مدرسہ کے شعبہ حفظ کی طیبہ ملک تھیں۔ جو نہایت سلجھے ہوئے انداز میں برجستہ اشعار اور جملوں سے سامعات کو محفوظ کر رہی تھیں۔ نعت شریف کے لئے انہوں نے شعبہ ناظرہ کی کم سن طالبہ حمیراء کو دعوت دی۔ حمیراء نے بڑے پرسوز لہجے میں یہ نعت سنائی۔

"رہے جاتے ہیں یہ ارمان ہائے میرے سینے میں
نہ کعبے کی گلی دیکھی نہ پہنچے ہم مدینے میں"

اس کے بعد سٹیج سیکرٹری نے شعبہ فاضلات کی ع، شوکت کو دعوت سخن دی جنہوں نے بڑے جامع انداز میں قیامت کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ قیامت ایک ایسی حقیقت ہے جو اپنے مقررہ وقت پر آکر رہے گی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کئے گئے اس وعدے کو سچا کر دکھائنگے جسکا قرآنِ پاک اور احادیث نبویہ میں بار بار ذکر ہے۔

انہوں نے کہا۔ کہ قیامت کے دن کے لئے ہم سب کو ابھی سے تیاری کرنی چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کریں اور برائیوں سے بچیں کیونکہ روز قیامت اچھے اور برے اعمال کا حساب و کتاب ہوگا اور دنیا کی زندگی کو محض عیش و آرام اور کھیل کود میں گذار دینے والے لوگ وہاں سخت پریشان ہونگے اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اس کے بعد شعبہ فاضلات ہی کی ایک اور طالبہ بنت سیف الرحمن نے اپنے مخصوص اور ٹھہرے ہوئے انداز میں توحید کے موضوع پر مدلل گفتگو کی۔ انہوں نے قرآنِ حکیم کے حوالے سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جابجا اپنی وحدانیت اور ربوبیت کا اظہار فرمایا ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ میرے علاوہ کسی اور کی پرستش شرک ہوگی۔

کیونکہ عبادت کی مستحق صرف اور صرف اسی کی ذات ہے۔ مقررہ نے بڑے پرزور انداز میں موجودہ دور کے جعلی پیروں فقیروں اور ان کے اوچھے ہتھکنڈوں کی مذمت کی۔ اور ان جعلی پیروں کی خلاف شرع باتوں کو شرک قرار دیا۔ مقررہ نے کہا کہ ہم سب اس ذات کے آگے ہاتھ پھیلائیں جس کا ارشاد ہے

ادعونی استجب لکم۔

اسکے مقابلے میں یہ نام نہاد پیر ہیں۔ جو اپنی مرضی کے نذرانے وصول کرنے کے علاوہ ہمیں شرک میں بھی مبتلا کر رہے ہیں۔ لہذا ہمیں تمام قسم کے شرک سے اپنے آپ کو بچا کر صرف اسی ایک ذات کے حضور سرنگوں ہونا چاہیئے کہ اسی میں ہماری عظمت اور نجات ہے۔ (تقاریر کے دوران پنڈال میں موجود طالبات اپنی ڈیوٹی بڑی مستعدی سے اداء کر رہی تھیں۔ جسکی وجہ سے نظم و نسق قابلِ تعریف تھا)

بنتِ سیف کے بعد طیبہ ملک نے شعبہ فاضلات کی ش ملک کو اظہارِ خیال کی دعوت دی۔

مقررہ نے آیاتِ قرآنیہ کے حوالے سے عورت کے لئے پردہ کی افادیت اور اہمیت کو خوب خوب اجاگر کیا۔ انہوں نے بڑے خوبصورت انداز میں ایک مثال سے اسکی وضاحت یوں کی کہ جیسے ہم اپنی قیمتی چیزوں اور زیورات وغیرہ کو چھپا کر اور کسی ڈبے میں بند کر کے محفوظ تصور کرتے ہیں بعینہ عورت بھی مستور ہو کر محفوظ ہے۔

اور مستور ہونے کا طریقہ قران و حدیث نے بڑے واضح انداز میں بتایا ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ

کہ عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور پہلی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلیں۔ اگر مجبوراً اور ضرورتاً باہر نکلنا ہی پڑے تو "جلباب" اوڑھ کر باہر نکلیں۔ وہی جلباب جو پردے کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی۔ اور عورت کے وقار اور احترام میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ انہوں نے عصر حاضر کی نام نہاد ترقی یافتہ عورتوں پر سخت تنقید کی جو پردے کی مخالف ہیں مقررہ نے آخر میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان

خواتین کو اسلامی احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔
مقررہ کے یہ الفاظ سنکر بے اختیار ہمارے منہ سے نکلا

این دعا از من و جملہ جہاں آمین باد۔

ہم مقررہ کے ان دعائیہ جملوں میں غور و فکر کر رہے تھے کہ سماعتوں سے سٹیج سیکرٹری کی آواز ٹکرائی جو اگلی مقررہ کی دعوتِ سخن دے رہی تھیں۔ یہ مقررہ بھی شعبہ فاضلات ہی سے متعلق تھیں۔ اور ان کا موضوع علم تھا۔ وہی علم جسکے بارے میں قرآن کہتا ہے

قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون

محترمہ ع۔ پروین نے علم کی ضرورت و اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اصل علم قرآن کا علم ہے اور یہ قرآن اللہ کا پیغام اور سندیسہ ہے۔ جسکو ہم تک پہنچانے والے رسولِ کامل واکمل ﷺ ہیں۔ اس پیغام کو ہم نے کس حد تک سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ کیا ہم نے اسکو سمجھنے میں کوتاہی تو نہیں کی؟۔ مقررہ نے اس سوال کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم میں سے کسی کی بہن یا سہیلی کا خط آجائے تو ہم سب کام چھوڑ کر اسکی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور پورے انہماک کے ساتھ اسکا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو یہ قرآن بھی تو اللہ کی طرف سے خط ہے بندوں کے نام۔ کیا ہم اس خط پر اتنی ہی توجہ دیتے ہیں جو اسکا حق ہے۔
مقررہ نے توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ یقیناً ہم نے اس خط کو کما حقہ نہیں سمجھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان اتنی عظیم کتاب کے حامل ہونے کے باوجود اس زبوں حالی کا شکار ہوتے۔ انہوں نے شعائر اسلامی اور علومِ قرآنیہ کو اصل علم قرار دیتے ہوئے اسکے حصول کو ہر مسلمان کا جزوِ زندگی بتایا۔
مقررہ کے دھیمے لہجے میں کہی گئی باتیں کافی پر اثر تھیں اسپر مستزاد ماحول کی لطافت اور پاکیزگی تھی جس نے انہیں اور بھی پر اثر بنا دیا۔ ہم اس کیفیت سے مشامِ جاں کو معطر محسوس کر رہے تھے۔ کہ سٹیج سیکرٹری نے اظہار خیال کے لئے مدرسہ کی پرجوش مقررہ کا نام پکارا۔ اور ہم ہمہ تن گوش ہو گئے۔ یہ تھیں محترمہ فرینہ غزل صاحبہ جن سے ہمارا تعارف پہلے "نقیب ختم نبوۃ" کے کسی شمارے میں ان کا مضمون پڑھکر ہوا تھا۔
محترمہ فرینہ غزل صاحبہ نے آتے ہی جدید دور کے اس نظریے کو آڑے ہاتھوں لیا جس میں عورت کو اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور اور بے بس خیال کیا جاتا ہے انہوں نے کہا کہ عورت اگر مظلوم تھی تو اسلام سے پہلے تھی جب اسکی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ اسلام نے تو عورت کے رشتوں کو تقدس عطا کیا۔ بیٹی بیوی، بہن اور ماں کے روپ میں عورت کو محترم کیا۔ انہوں نے کہا کہ آج عورت کو جس آزادی کا لالچ دیکر اسکے گھر سے باہر نکالا جا رہا ہے۔ یہ سراسر شیطانی قوتوں کا ایک جال ہے۔ اگر عورت اس جال میں پھنس گئی تو یہ اسکے لئے تباہی ہوگی۔ کہ یہ عورت کا میدان نہیں ہے۔ جس طرح کانٹوں سے کھیلنے والے زخمی ہو جاتے ہیں۔ اور اندھیروں سے کھیلنے والے راستہ بھول جاتے ہیں۔ اسی طرح اس نام نہاد آزادی کی آگ

عورت کے کردار کو جھلسا دے گی اور بالآخر بھسم کر دیگی۔
محترمہ فریبہ بڑی روانی اور جذبے سے ایسے خیالات کا اظہار کر رہی تھیں کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا

فریبہ نے بڑے پر جوش لہجے میں کہا کہ آج کی عورت اگر برابری اور نقل ہی کرنا چاہتی ہے تو پھر ان ہستیوں کی نقل کرے جنکی اتباع میں حقیقی کامیابی مضمر ہے اور وہ ہستیاں ہیں سیدہ عائشہ سیدہ فاطمہ سیدہ اسماءؓ اور دیگر بہت.........
تقاریر کا تسلسل اور اظہار بیان کچھ یوں تھا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا اتنے میں ہم نے ڈائس کے پیچھے سے سٹیج سیکرٹری کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ اب میں صدر معلمہ کو دعوت دیتی ہوں کہ وہ اپنے مفید خیالات سے ہمیں نوازیں۔
معاً گھڑی دیکھی تو احساس ہوا کہ تقریب اپنے آخری مراحل میں ہے۔
محترمہ صدر معلمہ نے پہلے تو ناظرہ قرآن پاک والی بچیوں کو آخری سورۃ پڑھ کر ختم کروایا اور اسکے بعد خطبہ مسنونہ پڑھکر مختصر خطاب فرمایا۔
صدر معلمہ نے اول نو ان طالبات اور انکے والدین کو مبارک باد دی جنہوں نے ترجمہ و ناظرہ قرآن ختم کیا تھا۔ اسکے بعد ان طالبات کو ان کا مقام سمجھایا کہ اپنے آپ کو اور دینی تعلیم کو معمولی نہ سمجھیں اپنی تعلیم کا برملا اظہار کرتے ہوئے کسی جھجک یا احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔ بلکہ پورے اعتماد سے تہذیب نو کے منہ پر وہ تھپڑ رسید کریں جو............ انہوں نے کہا کہ طالباتِ دین اس بات کو غور سے سنیں کہ دنیاوی تعلیم کی قدر و منزلت تو صرف دنیا والے ہی کرتے ہیں یہیں ان ڈگریوں کی پذیرائی ہے اور یہ سب تفاخر عارضی وقتی اور دنیا میں رہ جانے والا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں جس زیور تعلیم سے وہ آراستہ ہوئی ہیں اسکا قدرداں خود رب کریم اور اسکا رسول ﷺ ہے۔ تو کیا پھر بناتِ مسلم یہ سودا گھاٹے کا ہے؟
اسکے بعد صدر معلمہ کی تقریر کا رخ رجب الرجب کے حوالے سے کونڈوں کی طرف مڑ گیا۔ جس کے بارے میں ہمیشہ سے ہم متجسس رہتے تھے کہ اس مسئلہ کو تفصیل سے سمجھیں اور الحمدللہ آج اسکا موقع مل رہا تھا۔ اور پھر واقعتاً کونڈوں کا مولد و مسکن سننے کے بعد ہم اس رافضی اور سبائی چال کو سمجھ گئے کہ کس طرح یہ لوگ سیدنا معاویہؓ کے یومِ وفات کو حضرت جعفر صادق کے یومِ ولادت سے منسوب کر کے اپنا بغض نکال رہے ہیں۔ اور ہمارے بہت سے سادہ لوح اہلسنت گھرانے بھی اس وبا کی لپیٹ میں بری طرح آ رہے ہیں۔ جبکہ جناب جعفر صادق کی تاریخِ ولادت ۲۲ رجب کہیں بھی ثابت نہیں۔